عہدِ وسطیٰ کا فقہی لٹریچر

(ایک جدید انگریزی کتاب کا مطالعہ☆)

——— پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

اسلامی قوانین جن کی اساس قرآنی احکام پر ہے وہ فرد کی زندگی کے تمام پہلوؤں ہی کا احاطہ نہیں کرتے، بلکہ اُن کا انسانی معاشرہ اور طرزِ حکومت پر بھی برابر کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآنی احکام کی نوعیت بنیادی ہے۔ ہر زمانہ میں بدلے ہوئے حالات میں ان احکام کی روشنی میں ان کی توجیہ اور اجتہاد سے کام لے کر قوانین بنائے گئے اور ان کا معاشرہ میں نفاذ ہوا۔ اجتہاد کے لیے اصول اور ضوابط مقرر ہوئے اور اس طرح ایک نئے علم کا آغاز ہوا جو علم فقہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے نتیجے میں مختلف مکاتب فکر وجود میں آئے۔ بعد میں سُنّی مسلمانوں میں چار مکاتب فکر رہ گئے جو فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان مکاتب کے نمائندہ فضلاء نے ہر زمانہ میں اپنے پیروؤں کی رہنمائی کے لیے درپیش مسائل کے حل کے لئے فتاویٰ جاری کیے اور ان فتاویٰ کو تصنیفات کی شکل میں جمع کیا گیا۔ اس طرح فتاویٰ لٹریچر کی ابتدا ہوئی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت کا حنفی اسکول سے تعلق تھا، لہٰذا یہاں پر مسلم سلطنت کے قائم ہونے کے بعد سرکاری طور پر حنفی قانون کا نفاذ ہوا۔ مفتی اور قاضی، جن کا تعلق نظام عدل (یعنی عدلیہ) سے تھا، ان کی رہنمائی کے لیے اور فقہ کے طلباء کی تربیت کے لیے فقہ کی جو کتابیں لکھیں گئیں وہ زیادہ تر عربی زبان میں ہیں، چند ایک فارسی میں بھی ہیں۔ اس فتاویٰ لٹریچر کی ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ کے طلبہ اور ریسرچ

☆Fatawa literature of the sultanate period by Dr Zafarul-Islam, Kanisuka publishers, New Delhi, 2005

اسکالرس کے لیے بڑی اہمیت ہے۔

اس تاریخی حقیقت کا بیان بھی بے محل نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں اسلامی قوانین یعنی شریعت کی اہمیت کی وجہ سے مسلم حکم رانوں کے قانون کے نفاذ میں عدلیہ میں دخل انداز ہونے کو مسلمان ناپسند کرتے تھے اور کبھی کبھی سلاطین کی دخل اندازی مسلم خواص میں ان کی نامقبولیت کا موجب ہوجاتی تھی۔ علماء جن میں سے مفتی اور قاضی ہوتے تھے معاشرہ میں بااثر لوگ ہوتے تھے۔ وہ دین کے قائد اور معاشرہ میں محترم تھے۔ علماء کے اطمینان کے لیے سلطان محمود غزنوی (م۱۰۳۰ء) پہلا حکم راں معلوم ہوتا ہے جس نے علماء سے سمجھوتہ کیا کہ حکومت اور عدلیہ سے متعلق فرائض اور اختیارات کی سلطان اور علماء کے درمیان تقسیم ہوجائے۔ شرعی قوانین میں اجتہاد اور ان کا نفاذ مفتیوں اور قاضیوں کا دائرہ عمل طے پایا، جب کہ امن وامان کا قیام، ٹیکسوں کا لگانا اور ان کی وصول یابی، سلطنت کا دفاع، فوج کا قیام اور بیرونی ممالک سے سیاسی اور تجارتی تعلقات قائم کرنا سلطان کی ذمہ داری قرار پائی۔ ہمیں ہندوستان کی تاریخ سے بھی پتا چلتا ہے کہ مفتی اور قاضی عدلیہ کے معاملے میں خود مختار تھے۔ اکثر لوگ سلطان کے خلاف قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرتے تھے اور قاضی سلطان کے خلاف بھی فیصلہ دے دیتا تھا، جیسا کہ ابن بطوطہ نے سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں دیکھا تھا۔ (ملاحظہ کیجیے ابن بطوطہ، عجائب الاسفار، اردو ترجمہ از مولوی محمد حسنین، جلد دوم، اسلام آباد، ریپرنٹ ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۷ تا ۱۳۹) یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگر سلطان یا اس کے امراء کا نظامِ عدل میں دخل انداز ہونا گوارا نہیں کیا جاتا تھا تو علماء سے بھی یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ سیاسی اور سلطان سے متعلق دوسرے امور میں دخل نہ دیں۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام عربی اور فارسی زبانوں پر قدرت رکھنے کے علاوہ تاریخ کے بھی اسکالر ہیں۔ انہوں نے تاریخ میں ایم۔اے کرنے کے بعد عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں نظامِ عدل پر تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پیش کیا۔ اس پر ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ عہدِ وسطیٰ کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر ان کی کتابیں

شایع ہوچکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب سلطنت دہلی کے عہد میں فتاویٰ لٹریچر کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ وہ تحقیق اور تالیف کے جدید طریقۂ کار (Methodology) سے اچھی طرح واقف ہیں، لہٰذا انہوں نے فقہ لٹریچر کا بڑی معروضیت کے ساتھ تجزیہ کیا ہے اور اس کی تاریخ کے ماخذ کی حیثیت پر گفتگو کی ہے۔ یہ کام پہلی مرتبہ انجام پایا ہے۔ کتاب انگریزی زبان میں ہے۔اس وجہ سے عہدِ وسطیٰ کی تاریخ کے اسکالرس کے لیے، جو عربی اور فارسی سے ناواقف ہیں، یہ ایک ماخذ کا کام دے گی۔ اس سے ہماری معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب تعارفی ہے جس میں عالمِ اسلام میں فقہ لٹریچر کی ابتداء اور علم فقہ کی ترقی کا تذکرہ ہے۔ ہندوستان میں مسلم سلطنت کے قیام کے بعد یہاں علم فقہ کے فروغ اور نظام عدل کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ علماء اور فضلاء کے علاوہ عالم صوفیہ جو کہ قانون شریعت کے پابند تھے ان کے رول کا بھی تذکرہ ہے۔ ان تمام تالیفات کا جو کہ فتاویٰ لٹریچر کے زمرہ میں آتی ہیں اجمالاً ذکر ہے۔ بعد میں اہم فتاویٰ کا تفصیل سے الگ الگ باب میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس میں دل چسپ حصہ خاص طور پر وہ ہے جس میں ان فقہا کا مختصر ذکر ہے جن کی مساعی کے نتیجے میں فقہ کا فروغ ہوا۔ لیکن کچھ ممتاز فضلاء کے تذکرہ میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ان کے بارے میں زیادہ تفصیل فراہم کی جاتی۔ مثال کے طور پر 'نصاب الاحتساب' کے مؤلف مولانا ضیاء الدین سنامی کا مختصر تذکرہ ہے۔ فاضل مصنف نے ان کے سلسلے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تصنیف 'سلاطین دہلی کے مذہبی رُجحانات' کا حوالہ دیا ہے۔ پروفیسر نظامی نے مولانا کے سلسلے میں صرف شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے تذکرۂ صوفیہ 'اخبار الاخیار' کو استعمال کیا تھا۔ اخبار الاخیار کی روایت تاریخی حقائق پر مبنی نہیں ہے۔ اس کا تعلق صوفیہ کی غیر مصدقہ مقبول عام روایات سے ہے۔ اس روایت کے مطابق ضیاء الدین سنامی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی محفل سماع پر اعتراض کرتے تھے۔ جب وہ بیمار ہوئے اور مرض الموت میں تھے تو حضرت نظام الدین اولیاء ان کی عیادت کے لیے ان کے گھر گئے۔ جب مولانا سنامی کو اطلاع ملی تو انھوں نے اپنی دستار شیخ کے راستے میں

بچھوادی، شیخ نے دستار زمین سے اُٹھا کر آنکھوں سے لگالی۔ جب شیخ مولانا کے پاس پہنچے تو مولانا نے شرم کے مارے آنکھیں نہ ملائیں۔ شیخ وہاں سے باہر آئے ہی تھے کہ مولانا انتقال فرما گئے۔ ان کے انتقال سے شیخ کو رنج ہوا۔ آپ نے فرمایا:

''یک ذات بود حامی شریعت، حیف کہ آں نیز نماند'' (صرف ایک ہستی حامیٔ شریعت تھی۔ افسوس کہ وہ بھی نہ رہی)

معاصر لٹریچر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سنامی سے بہت پہلے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا انتقال ہوگیا تھا۔ حضرت کے انتقال کے بعد جب شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ سلطان محمد بن تغلق شاہ کے عہد (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) میں دہلی آئے تو انہوں نے مولانا ضیاء الدین سنامی کے وعظ کے جلسوں میں شرکت کی۔ مولانا کا وعظ سننے کے لیے علماء اور فضلاء ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے دیکھا کہ ان کی تذکیر کے دوران کسی شخص نے پرزے پر لکھ کر کسی مسئلہ کا حل معلوم کیا۔ مولانا نے پرزہ دیکھا اور منبر سے فرمایا کہ کتاب (یعنی قرآن) سے اس مسئلہ کا حل نہیں ملتا۔ پھر انہوں نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی رائے کے مطابق جواب دیا۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے یہ واقعہ اجتہاد کی تلقین کے سلسلے میں بیان کیا تھا۔ (ملاحظہ کیجیے ملفوظات 'معدن المعنی' ص ۱۱۷)۔ ابن بطوطہ نے بھی سلطان محمد بن تغلق شاہ کے احوال میں مولانا سنامی کا تذکرہ کیا ہے کہ سلطان ان سے مشورہ کرتا تھا اور وہ اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سلطان کا حکم ماننے سے انکار کردیا تھا۔ سلطان چاہتا تھا کہ وہ صوفی شیخ زادہ جام کی داڑھی نوچیں، کیوں کہ شیخ زادہ نے سلطان کو ظالم کہا تھا، لیکن ثابت نہیں کرپائے تھے۔ مولانا کے انکار سے سلطان ناراض ہوگیا اور ان کو جیل میں بند کرادیا۔ کچھ عرصہ کے بعد رہا کیا اور ورنگل کا قاضی بنا کر بھیج دیا۔ (ملاحظہ کیجیے عجائب الاسفار، جلد دوم۔ ص ۱۴۵)

ضیاء الدین برنی نے بھی مولانا سنامی کا سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے ممتاز علماء کے زمرہ میں قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ یہ تذکرہ اس لیے بھی اہم ہے

کہ ضیاء الدین برنی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا مرید تھا اور اگر کسی نے حضرت کو کسی طرح دکھ پہنچایا اور بعد میں کبھی اس کو کسی زحمت یا تذلیل کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اسے حضرت کو ناخوش کرنے پر قدرت کی طرف سے سزا تصور کرتا تھا۔ برنی لکھتے ہیں کہ مولانا سنامی:

''از واعظان معتبر و مذکران مشہور، کہ ہم مفسر و ہم فقیہ و ہم استاد و ہم استاد بچہ شہر مولانا ضیاء الدین سنامی بود کہ در تمامی عصر علائی تذکیر گفت و تفسیر بیان کرد و شاید کہ در آیتی از آیات قرآن چندین قول بیان کردی و دو سہ ہزار آدمی بلکہ زیادت در تذکیر او حاضر شدی و لیکن آن جوانمرد بی انصاف را با آستان شیخ الاسلام نظام الدین کہ مقتدای عالمیان و قطب وقت و غوث روزگار بود، از روی حسد و غیرت بد افتاد۔ جماہیر باطنہا از و متنفر گشت و ورابواسطۂ آن عذاب ہا و فضیحت ہا پیش آمد و نام و نشان او از جہان مضمحل گشت'' (تاریخ فیروز شاہی۔ص۔۳۵۶)۔

علاوہ ازیں عین الملک ماہرو نے بھی اپنے ایک خط میں مولانا سنامی کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ان کا اجتہاد قدامت پرستوں کے لیے ناقابل قبول ہوتا تھا۔ (ملاحظہ کیجیے انشاء ماہرو، مرتبہ شیخ عبدالرشید، لاہور ۱۹۶۵ء، ص: ۴۵، ۴۶)

یہاں یہ حقیقت بھی قابل تذکرہ ہے کہ ڈاکٹر ظفر الاسلام نے مولانا سنامی کے شاگرد بدر بن تاج لاہوری کی فقہ پر تالیف 'مطالب المومنین' کا حوالہ دیا ہے۔ یہ بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ فقہ لٹریچر کے فروغ میں مولانا سنامی کی مساعی کا ذرا تفصیل سے تذکرہ ہو۔ خاص طور پر ان کی تالیف ''نصاب الاحتساب'' پر ایک علاحدہ باب ہو، کیوں کہ اس کا تعلق فقہ لٹریچر سے ہے۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر ظفر الاسلام اس پر غور فرمائیں گے اور اگلے ایڈیشن میں اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس تعارفی باب کے آخر میں قدیم فتاویٰ کی شرحوں اور ان پر علماء کے لکھے ہوئے حاشیوں پر سیر حاصل بحث ہے جو کہ اہم ہے۔

دوسرا باب فقہی لٹریچر کی ابتداء اور اس کے ارتقاء کی مختصر تاریخ سے شروع ہوتا ہے۔ فقہ سے متعلق اصطلاحات اور اجتہاد کے سلسلے میں جو اصول اور ضوابط وضع ہوئے ان کا مفہوم اور ان کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ وہ تمام کتابیں، جو کہ حنفی فقہ کے

فضلاء نے ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک میں مرتب کیں، ان کا تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستان میں لکھی گئی کتابوں کے تذکرہ سے پہلے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ بار بار فقہ پر کتابیں لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟۔ جواب میں کہا گیا ہے کہ تغیرِ زمان و مکان سے پیدا ہونے والے نئے مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسائل میں اجتہاد قرآن اور سنت کی روشنی میں ہوتا تھا۔ اخیر میں مختلف فتاویٰ، جو کہ تیرھویں صدی عیسوی سے ہندوستان میں مرتب ہوئے، ان کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد کے ابواب میں اہم فتاویٰ کا الگ الگ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ فتاویٰ کے مرتبین کی نشان دہی ہے۔ کیٹا لاگرس یا بعد کے لوگوں سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ''فتاویٰ غیاثیہ'' کے مرتب نے اپنی تالیف کو سلطانِ وقت غیاث الدین بلبن (عہد ۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۷ء) کے نام معنون کیا تھا، لیکن بعد میں کسی کاتب نے فتاویٰ تاتارخانی کے مطبوعہ نسخے میں غلطی سے سلطان غیاث الدین تغلق شاہ لکھ دیا ہے۔

تیسرا باب پورا کا پورا فتاویٰ غیاثیہ سے متعلق ہے۔ کتاب کے مآخذ، جن سے اس کے مرتب داود بن یوسف الخطیب البغدادی نے استفادہ کیا، اس کا ذکر ہے۔ فتاویٰ کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ ان سے ہندوستان کے ماحول میں مسلم حکم رانوں کو درپیش حالات پر روشنی پڑتی ہے اور اس کا علم ہوتا ہے کہ فقہاء نے فقہ اسلامی کی روشنی میں ان مسائل کا کس طرح حل نکالا تھا۔ ایک اہم مسئلہ مدارس سے وابستہ یا دوسرے اساتذہ کی تنخواہوں سے متعلق تھا کہ کیا مدرسین کے لیے پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ زمانۂ قدیم میں درس و تدریس ایک مذہبی اور ثواب کا کام تھا، لیکن سلطنت کے زمانہ میں تدریس بہت سے علماء کا ذریعۂ معاش تھا۔ فتاویٰ غیاثیہ کے مطابق اگر اساتذہ کو بیت المال یا طلباء کے والدین سے تنخواہ نہیں ملے گی تو قرآن اور علوم دینی کی تعلیم کی ترقی پر بُرا اثر پڑے گا۔ لہٰذا مدرسین اور اساتذہ کا تنخواہ لینا جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح سلطان کے فرائض، حقوق اور اس کے طور طریقوں سے متعلق امور پر بحث ملتی ہے۔ بستی میں رہنے

والے انسانوں اور ان کے اپنے پڑوسیوں سے روابط اور باہمی فرائض اور حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے جو دل چسپ ہے۔

چوتھا باب 'فتاویٰ فیروز شاہی' سے متعلق ہے۔ یہ بہت ہی اہم تالیف ہے۔ ترتیب اور زبان کے اعتبار سے تمام فتاویٰ سے مختلف ہے۔ روایت کے مطابق کتبِ فتاویٰ میں قدیم فقہاء کے دیے ہوئے فتووں کو موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ابواب میں نقل کر دیا جاتا تھا۔ اس روایت کے برعکس فتاویٰ فیروز شاہی کے مرتب نے پہلے ایک مسئلہ کو درج کیا ہے اور اس کے بعد مفتی کے دیے ہوئے فتویٰ کو نقل کیا ہے۔ یہ ایک نیا طریقہ ہے۔ دوسرے زیادہ تر مسائل اور فتوے فارسی میں لکھے گئے ہیں، جب کہ فتاویٰ لٹریچر ہندوستان میں بھی عربی زبان میں لکھا جاتا تھا۔ فتاویٰ فیروز شاہی میں ضرورتاً عربی کتابوں سے فتووں کو عربی ہی میں نقل کر دیا گیا ہے، لیکن سوالات اور ان کے جوابات فارسی ہی میں ملتے ہیں۔ عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ کے طالب علم کے لیے فتاویٰ فیروز شاہی بہت اہم ماخذ ہے۔ ہندوستانی ماحول میں مسلمانوں نے بہت سی غیر اسلامی رسوم اختیار کر لی تھیں۔ اُن کے بارے میں اس کتاب سے دل چسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ تجار کے درمیان تجارتی معاہدوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ دہلی میں حوض شمسی پر ایک اہم بازار قائم ہو گیا تھا، جہاں پر آلات حرب کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ تجار کے مابین تجارتی اشیاء کی سپلائی کے سلسلے میں معاہدے ہوتے تھے۔ روپیہ پیشگی دیا جاتا تھا اور سپلائی میں وقت کا تعین ہوتا تھا۔ بڑا دل چسپ تذکرہ ہنڈی کا ہے جو کہ عہدِ وسطیٰ میں بینک ڈرافٹ کا متبادل تھا۔ یہ سسٹم مسلم ممالک میں مختلف نام سے رائج تھا۔ ہندو صرّاف ہنڈی کے کاروبار میں مصروف تھے۔ ان کے ذریعہ روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا تھا۔ صراف کچھ کمیشن لیتا تھا۔ فقہاء نے اس کو جائز قرار دے دیا تھا۔ بڑے بڑے صراف اپنے نمائندے اور کاروباری شاخیں بڑے بڑے شہروں میں رکھتے تھے۔

ضرورت کی اشیاء کی قیمتوں کا سرکار کے ذریعہ تعین کرنا (Price Control) متنازع فیہ مسئلہ تھا۔ حنفی فقہ میں حکومت کو اس کی اجازت نہیں تھی، جب کہ مالکی فقہ میں

اجازت تھی۔ فتاویٰ فیروز شاہی کے مطابق اشیاء کے بنانے میں جو قیمت لگتی ہے (Cost of Production) اور تاجر کے معقول منافع کو مدِ نظر رکھ کر حکومت ضروری اشیاء کے نرخ مقرر کرسکتی ہے، کیوں کہ اشیاء کی کمی ہونے کے وقت بڑھی ہوئی قیمتیں لوگوں کی پریشانی کا باعث ہوں گی۔

پانچواں باب سلطنت میں ہندو مسلم روابط سے متعلق ہے۔ فتاویٰ فیروز شاہی میں اس کا بڑی تفصیل سے ذکر ہے۔ اس حصہ میں عہدِ وسطیٰ میں مختلف مذاہب کے پیروؤں کے درمیان مذہبی رواداری، آپس میں لین دین، امن وامان اور بھائی چارے پر بھی اچھی روشنی پڑتی ہے۔

حاصل یہ کہ ڈاکٹر ظفر الاسلام نے اپنے اس تحقیقی مطالعہ سے ہماری توجہ اس اہم تاریخی ماخذ کی طرف پہلی مرتبہ مبذول کرائی ہے۔ عہدِ وسطیٰ کی ثقافتی تاریخ پر یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔

☆

مذہب کا اسلامی تصور

(مولانا سلطان احمد اصلاحی)

اس کتاب میں معاملاتِ دنیا سے مذہب کی بے دخلی کے تصور کو اس کے خاص تاریخی تناظر میں دکھایا گیا ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ چرچ کے ناقابلِ بیان مظالم کے نتیجے میں یورپ میں چرچ اور اسٹیٹ کی علیحدگی اور مسیحیت سے بے زاری کے ساتھ خود مذہب سے بے زاری پیدا ہوگئی تھی۔ دوسرے باب میں قرآن اور سنت کی روشنی میں اسلام کے مطلوبہ تصورِ مذہب کو پورے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آفسیٹ کی عمدہ طباعت، صفحات: ۱۹۵ قیمت=/۱۰۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵